WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃُ المُزَّمِّل

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام "المزمل" ہے۔ اس میں دو رکوع، بیس آیتیں، دو سو پچاسی کلمات اور آٹھ سو اڑتیس حروف ہیں۔

نزول : اس کے زمانۂ نزول کے بارے میں اختلاف ہے بعض علما کہتے ہیں کہ یہ ساری سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطاء اور جابر کا یہی قول ہے لیکن بعض علما کی یہ رائے ہے کہ اس کا پہلا رکوع تو مکی ہے، لیکن دوسرا رکوع مدینہ طیبہ میں نازل ہوا۔ نحاس نے حضرت ابن عباس سے یہی قول نقل کیا ہے۔ آیات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں کیونکہ دوسرے رکوع میں جہاد فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ یہ دونوں حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوئے کیونکہ مکہ میں تو جہاد کا تصور تک بھی نہ تھا۔ اور اس پر بھی سب علماء کا اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوا اس لیے حضرت ابن عباس کا قول ہی قرینِ قیاس ہے۔

ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو سحر خیزی کی تلقین فرمائی ہے کہ آپ رات کا نصف حصہ یا اس سے کم و بیش مصروفِ عبادت رہا کریں کیونکہ رات کی خاموشیوں میں تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی سے روح کی توانائیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس وقت کی عبادت سے اسرارِ الٰہیہ پر مطلع ہونے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر جو فرائض عائد کیے گئے ہیں، اُن سے عمدگی کے ساتھ عہدہ برا ہونے کی قوت اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے: اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور ادب سکھانے میں کمال کر دیا)۔ تادیب و تربیتِ خداوندی کا یہ بھی ایک حصہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو بھی سحری کے وقت جاگنے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ صحابۂ کرام بڑے ذوق و شوق سے سحری کے وقت بیدار ہوتے اور مصروفِ عبادت رہا کرتے۔ انہی ارشاداتِ نبوی کے طفیل اولیائے اُمت اور صالحین سحری کے وقت جاگ کر اپنے رب کے ذکر اور اس کی یاد میں مصروف رہتے ہیں۔ علامہ نے خوب کہا ہے:

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

"رَبُّ المشرق و المغرب" (آیات ۹ تا ۱۴) فرما کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ نبوت کی نازک اور گراں ذمہ داریاں

کو ادا کرنے کے راستہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ اے حبیب! آپ ان سے مت گھبرائیے۔ اپنے رب کو اپنا کارساز بنا لیجیے۔ آپ کا رب وہ ہے جو مشرق اور مغرب کی ہر چیز کا پروردگار ہے۔ مخالفین اگر اذیت رسانی پر اتر آئیں تو آپ صبر کی ڈھال پر ان کا ہر وار روکیے۔ ہم خود ان سے نبٹ لیں گے۔ جب ہم نے عذاب کے شکنجہ میں ان کو کسا تو ان کے سارے نشے ہرن ہو جائیں گے۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ (آیت ۱۵ تا ۱۹) سے کفارِ مکہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہیں فرعون کے حسرت ناک انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اُس نے اور اس کی قوم نے ہمارے رسول موسیٰ کلیم اللہ کو جھٹلایا تھا اور اُس کو ستانے کی حد کر دی تھی۔ اُنہیں بھی اپنی قوت اور شوکت پر بڑا گھمنڈ تھا، لیکن جب ہمارے غضب کی بجلی ان پر کوندی تو ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ کیا تم اپنے لیے اسی قسم کا انجام پسند کرتے ہو۔

دُوسرے رکوع میں نمازِ تہجد میں تخفیف فرما دی گئی۔ نصف شب جاگ کر عبادت کرنا عام لوگوں کے لیے از بس دشوار ہے۔ ان میں کئی بیمار، کئی مُسافر اور کئی جہاد میں مصروف ہوتے ہیں۔ دن بھر کی تھکاوٹ ان کو چور چور کر دیتی ہے۔ اس لیے اُن کے لیے نرمی فرما دی کہ جتنی دیر وہ آسانی سے تلاوت و عبادت کر سکیں اتنا ہی کافی ہے۔ فرض نمازوں کی سختی سے پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے میں سُستی کا مظاہرہ نہ کریں۔

آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اگر تمہیں اپنا مال خرچ کرنا پڑے تو بُخل سے کام نہ لیا کرو بلکہ بڑی فیاضی اور دریا دلی سے خرچ کیا کرو۔ اللہ کی راہ میں جو تم خرچ کرو گے وہ رائیگاں نہیں جائے گا۔ وہ تو ایسا ہے گویا تم اپنے رب کو قرض دے رہے ہو۔ اللہ قیامت کے دن یہ قرض کئی گُنا بڑھا کر تمہیں واپس کرے گا۔ اُس دن تمہیں پتہ چلے گا کہ اللہ کے راستہ میں اپنی دولت خرچ کر کے تم نے کتنے بڑے نفع کا سَودا کیا تھا۔ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ فرما کر اس خطرہ سے بھی آگاہ کیا کہ کہیں تم میں غرور پیدا نہ ہو جائے۔ ہمیشہ اپنے رب سے اپنی لغزشوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہا کرو۔ وہ غفور رحیم تمہاری لغزشوں کو معاف فرما دے گا اور تمہارے اعمالِ حسنہ کو شرفِ قبولیت بخشے گا۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۱ - ۴ - ۷۷

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ عِشْرُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ مزمل مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں ۲۰ آیتیں اور دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿١﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٢﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ

اے چادر لپیٹنے والے [1] رات کو نماز کے لیے قیام فرمایا کیجیے مگر تھوڑا یعنی نصف رات یا کم کر لیا کریں

[1] اَلْمُزَّمِّلُ اصل میں اَلْمُتَزَمِّلُ ہے اور تَزَمَّلَ سے اسم فاعل ہے جس کا معنی ہے تَلَفَّفَ یعنی اپنے اوپر چادر یا کوئی کپڑا لپیٹ لینا۔

اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ میں خطاب محبوب کریم علیہ افضل التحیۃ والتسلیم کو ہے۔ البتہ اس خطاب سے نوازنے کا سبب کیا ہے؟ اس بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے کہ جب غار حرا میں جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ کا فرمان ربانی سنایا تو اس حیرت انگیز واقعہ سے خوف اور دہشت سی طاری ہو گئی اور جسم لرزنے لگا۔ اسی حالت میں حضور لپٹے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ۔ زَمِّلُوْنِیْ۔ مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب چادر لپیٹ چکے تو جبریل فوراً حاضر ہوئے اور یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کے خطاب سے وحی کا آغاز کیا۔

عرب میں یہ دستور ہے کہ جب کسی کے ساتھ لطف و محبت کا اظہار کرنا ہو تو جس حالت میں وہ ہو اسی سے نام مشتق کر کے اس کو خطاب کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ ایک دفعہ سو رہے تھے۔ اسی اثنا میں سوئے ہوئے بختوں کو جگانے والا آ تشریف لے آیا اور فرمایا قُمْ یَا نَوْمَانُ۔ اے سونے والے جاگ! ایک بار حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدۃ النساء بتول زہرا علی ابیہا وعلیہا اطیب التحیات سے کسی بات پر رنجیدہ ہو کر مسجد کے فرش پر آ کر لیٹ گئے۔ حضور آپ کو تلاش کرنے کے لیے تشریف لائے تو فرمایا قُمْ یَا اَبَا تُرَابٍ۔ اے مٹی کے باپ اٹھو! حضرت ابو ہریرہ کو آقا نے ایک مرتبہ ابو ھریرہ (بلی کا باپ) فرمایا۔ وہ اسی خطاب سے مشہور ہو گئے اور جو نام ماں باپ نے تجویز کیا تھا وہ متروک ہو گیا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں نداءہ علیہ السلام تانیس لہ وملاطفۃ علی عادۃ العرب . . . کل ما یفعل المحبوب محبوب۔ اہل عرب کے دستور کے مطابق ازراہ انس والطف یوں خطاب فرمایا . . . درحقیقت محبوب کی ہر ادا محبوب ہوا کرتی ہے۔

علامہ ابن جریر نے اس خطاب کی دو وجہیں لکھی ہیں ① عن قتادۃ وصف بانہ متزمل فی ثیابہ متاھب للصلوٰۃ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضور کپڑے پہن کر نماز کے لیے تیار ہو گئے تھے اس لیے یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ فرمایا۔ اے کپڑے پہن کر میری عبادت کے لیے تیار ہونے والے! ② عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ زِمْلٌ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے بوجھ۔ عرب کہتے ہیں ازدمل: فلاں نے وہ بوجھ اٹھایا۔ اب اس کا معنی یہ ہو گا اے نبوت کے بار گراں کو اٹھانے والے!

علامہ آلوسی مندرجہ بالا اقوال نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ زمخشری معتزلی نے لکھا ہے کہ اس خطاب سے حضور کو عتاب کیا جا رہا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کی طرح جن کے سامنے کوئی مقصد نہیں ہوتا چادر لپیٹ کر سو رہے ہیں۔ اٹھو اور اپنا فریضہ نبوت ادا کرو۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ یہ کلام گستاخانہ ہے اور اس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ بعض لوگوں نے زمخشری کی طرف سے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آپ فرماتے ہیں:

مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ

اس سے بھی تھوڑا سا کم یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسبِ معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے قرآن کریم کو ۳ بے شک ہم جلد ہی القا کریں گے

ولا یخفی انه لا یندفع به سوء ادب الزمخشری فی تعبیره فانه تعالی وان کان له ان یخاطب حبیبه بما شاء لکنا نحن لا نجری علی ما عامله سبحانه به بل یلزمنا الادب والتعظیم بجناب الکریم۔ (روح المعانی)

قائل کی اس توجیہ سے زمخشری کی تعبیر میں جو گستاخی کا پہلو ہے اس کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہے اپنے حبیب کو خطاب فرمائے، ہم پر لازم ہے کہ ہم بارگاہِ رسالت کے ادب و احترام کو ہر طرح ملحوظ رکھیں۔

عارفِ کامل حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ ترجمہ کیا ہے: "ای آراستہ بلباس پیغمبری"۔ رسالت کی خلعت فاخرہ زیب تن فرمانے والے۔

۲ـ اٹھیے! اور رات کی ان خاموشیوں میں نماز ادا فرمایئے۔

پہلے آپ اس جملہ کی ترکیب ذہن نشین کر لیں تو اس کا معنی سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو گی۔

اللیل مستثنیٰ منہ الا حرف استثنا، قلیلاً مستثنیٰ، نصفه، قلیلاً کا بدل ہے۔ اس کی ضمیر کا مرجع اللیل ہے۔ اس بدل نے قلیل کے ابہام کو دور کر دیا۔ اَوْ حرف عطف، اُنْقُصْ مِنْهُ کی ضمیر کا مرجع اللیل اور نصف دونوں ہو سکتے ہیں۔ قلیلاً کا تعلق اُنْقُصْ سے ہے یعنی نقصاً قلیلاً۔

قُمِ اللَّيْلَ سے تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ ساری رات نماز پڑھتے پڑھتے گزار دیجیے لیکن اِلَّا قَلِيْلًا فرما کر اس خیال کی نفی کر دی۔ فرمایا کچھ تھوڑا سا وقت آرام بھی فرمایئے۔ اب تھوڑے کی مقدار بتائی یعنی نصف رات، لیکن نصف شب میں اگر تھوڑی سی کمی یا تھوڑی سی زیادتی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اختیار دے دیا کہ چاہے نصف رات آرام فرمائیں یا نصف سے کچھ کم یا نصف سے کچھ زیادہ، آپ کو اختیار ہے۔

۳ـ علامہ قرطبی لکھتے ہیں الترتیل: التنضید والتنسیق وحسن نظام ومنه ثغر رتل اذا کان حسن التنضید۔ یعنی ترتیل کا معنی ہے بڑی خوبصورتی سے منظم اور مرتب ہونا۔ وہ منہ جس کے دانت خوبصورت اور جڑے ہوئے ہوتے ہیں اسے ثغر رتل کہتے ہیں یعنی کوئی دانت اونچا نیچا نہیں، کوئی جگہ خالی نہیں، کوئی دانت ٹوٹا ہوا نہیں۔ اسی مناسبت سے ترتیل قرآن کا معنی ہو گا کہ اس کو آہستہ آہستہ سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور اس کی تلاوت میں تیزی نہ کی جائے۔ اس آیت کی جامع اور دل نشین تفسیر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ آپ سے اس آیت کا مفہوم پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: بینه تبیینا ولا تنثره نثر الدقل ولا تهذه هذ الشعر، قفوا عند عجائبه وحرکوا به القلوب ولا یکن هم احدکم اخر السورة۔ (روح المعانی) آپ نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی ہمارے نبی کریم نے ہمیں بتایا کہ جس طرح تم جلدی جلدی ردی کھجوریں بکھیرتے چلے جاتے ہو اور بال کاٹتے چلے جاتے ہو، ایسا نہ کرو، جب کوئی نادر نکتہ آئے تو ٹھہر جاؤ، اپنے دل کو اس کی اثر پذیری سے متحرک کرو۔ تمہیں اس سورت کو جلدی جلدی ختم کرنے کا فکر نہ ہو۔

عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَّأَقْوَمُ

آپ پر ایک بھاری کلام ۵ — بلاشبہ رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے ۶ اور بات کو

۵ عنقریب آپ پر ایک گراں قدر کلام نازل ہونے والا ہے جس میں اوامر و نواہی' احکام و ارشادات کا ایک طویل سلسلہ ہو گا اس پر عمل کرنا اور دوسرے لوگوں سے اس پر عمل کرانا بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔ اس کے بوجھ کا اندازہ لگانا آسان کام نہیں۔ اگر پہاڑوں پر بھی یہ کلام نازل ہو تو وہ اس کی دہشت اور جلال سے ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزول آیات کے وقت عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ ولقد رأیته ینزل علیه الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنه وان جبینه لیتفصد عرقا۔ یعنی میں نے حضور کو اس حالت میں دیکھا جب سخت سردی کے دن بھی وحی نازل ہوتی تو جب وحی کا نزول ختم ہوتا تو حضور کی پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگتے۔

کلام الٰہی کے ثقیل ہونے کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار کی خلوتوں میں ذکر الٰہی اور مشاہدہ انوار و تجلیات میں مستغرق رہتے۔ اس طرح دل کو بڑی خوشی اور اطمینان نصیب ہوتا۔ مقام نبوت پر فائز کر کے حضور کو مخلوق کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا۔ توجہ کی سمت میں یہ تبدیلی حضور پر بڑی گراں تھی۔ ارشاد و تکمیل کا درجہ اگرچہ استکمال و خلوت سے اعلیٰ و برتر ہوتا ہے لیکن صوفی کے لیے رجوع الی الخلق بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ نبی کی شان ولایت' اس کی شان نبوت سے ارفع ہوتی ہے' کیونکہ پہلی حالت میں ساری توجہ محبوب حقیقی کی طرف ہوتی ہے اور دوسری حالت میں توجہ کا مرکز' مخلوق ہوتی ہے لیکن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول غلط ہے۔ بل النبوة مطلقا افضل من الولایة وهی عبارة عند الصوفیة عن السیر فی الذات والولایة عن السیر فی الصفات والشتان علینهما یعنی نبوت' ہر لحاظ سے ولایت سے افضل ہے کیونکہ صوفیا کی اصطلاح میں نبوت سیر فی الذات کا نام ہے اور ولایت سیر فی الصفات کا اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ (مظہری)

۶ نَاشِئَةٌ، وزن کے لحاظ سے تو اسم فاعل مونث کا صیغہ ہے' لیکن یہ مصدر ہے جس طرح عافیۃ بمعنی عفو ہے۔ "نشئة اللیل کا معنی حضرت صدیقہ ؓ نے یہ بتایا ہے قیام اللیل بعد النوم۔ سونے کے بعد رات کو اٹھنا۔ ابن کیسان کہتے ہیں هی القیام من آخر اللیل یعنی رات کے آخری حصہ میں قیام کرنا۔ اَشَدُّ وَطْأً، وطی کہتے ہیں پاؤں سے کسی کو لتاڑنا، روندنا۔ کیونکہ رات کو خواب راحت سے بیدار ہونا' نرم اور گرم بستر سے اٹھ کر وضو کرنا' نماز پڑھنا' ذکر اذکار کرنا نفس کے لیے بہت گراں ہے۔ اس لیے جو شخص شب بیداری اور سحر خیزی کو اپنی عادت بنا لیتا ہے وہ گویا سرکش نفس کی سرکوبی کر رہا ہے اور اس کے غرور و نخوت کو پاؤں تلے روند رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے چند روز تو نفس اس کو ناگوار سمجھتا ہے۔ اس سے بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس کو اٹھا کر مصلیٰ پر کھڑا کر دیا جائے تو اونگھنے لگتا ہے۔ نماز میں خشوع و خضوع پیدا نہیں ہوتا۔ کم ہمت سالک یہ خیال کر کے کہ اس نماز سے کیا فائدہ جس میں خضوع نہ ہو' نفس کے اس فریب کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ لیکن ارباب عزیمت نفس کی ان چالوں میں نہیں آتے۔ وہ اس کی ان حرکتوں کے باوجود سحری کو اٹھنے کی مشق جاری رکھتے ہیں۔ چند روز بعد جب ان کا سرکش نفس سدھائے ہوئے گھوڑے کی طرح ان کے اشارے پر عمل کرنے لگتا ہے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اس لیے فرمایا کہ نفس کے غرور کو کچلنے کے لیے اور

قِيلًا ۝٦ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝٧ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ

درست کرتا ہے۔ یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں ؎ اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا ؎ اور

اس کی سرکشی کو ختم کرنے کے لیے یہ نسخہ بڑا کارگر ہے۔ اسے شب بیداری سے خوب لتاڑو چند دن میں ہی یہ رام ہو جائے گا اور اس کی خرمستیاں باقی نہیں رہیں گی۔ علامہ بوصیری نے کیا خوب کہا ہے:

النفس کالطفل ان تھملہ شب علی حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

ترجمہ: نفس بچے کی مانند ہے۔ اگر تم اس کا دودھ نہ چھڑاؤ تو وہ جوان ہونے تک ماں کا دودھ پیتا رہے گا اور اگر تم اس کا دودھ چھڑا دو تو چند روز شور مچانے کے بعد وہ خود ہی ماں کا دودھ چھوڑ دے گا۔

شب بیداری کا ایک اثر تو یہ ہوا اور اس کی دوسری تاثیر اقوم قیلا میں ظاہر ہوتی ہے۔ اقوم کا معنی اعدل: بالکل سیدھا ہموار جس میں کوئی کجی نہیں جس میں کوئی خم نہیں۔ قیلا، قال کا مصدر ہے یعنی قول یعنی اس وقت قرآن کریم کی تلاوت بڑے صحیح طریقہ پر ہو سکتی ہے نہ شور و شغب ہوتا ہے اور نہ کسی اور کام کی جلدی ہوتی ہے۔ انسان مزے لے لے کر اللہ تعالیٰ کے اس پاک کلام کی تلاوت کرتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے۔

؎ سبح پانی میں تیرنے کو کہتے ہیں۔ وہ گھوڑا جو بہت تیز رفتار ہو اس کو فرس سابح کہا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دن میں آپ کو مختلف مصروفیتیں ہیں دعوت حق تبلیغ احکام، سیاسی اور معاشرتی امور کا انصرام، تنازعات کے فیصلے، لشکروں کی ترتیب وغیرہ اس لیے دن میں فرصت کم ملتی ہے رات کی گھڑی ذکر الٰہی اور قرات قرآن کے لیے بہت موزوں ہے۔

ان آیات میں نماز تہجد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی مختلف دلنشیں ارشادات سے اپنے ماننے والوں کو سحری کے وقت اللہ کے حضور سربسجود ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔ چند ارشادات نبوی آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ینزل ربنا کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر یقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسألنی فاعطیہ ومن یستغفرنی فاغفرلہ۔ (متفق علیہ) یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب رات کا آخری حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا پروردگار پہلے آسمان پر (اپنی شان کے شایان) نزول اجلال فرماتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا مانگ رہا ہے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں کون ہے جو مجھ سے سوال کرتا ہے تاکہ میں اس کو دوں، کون ہے جو گناہوں کی بخشش چاہتا ہے تاکہ میں اس کو بخش دوں۔

(۲) عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیکم بقیام اللیل فانہ دأب الصالحین قبلکم وھو قربۃ لکم الی ربکم ومکفرۃ للسیئات۔ (رواہ الترمذی) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم کو رات کو جاگنا ضروری ہے۔ پہلے زمانے کے نیک لوگوں کا یہ دستور رہا ہے رات کو جاگنا اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کو ملیامیٹ کرنے والا ہے۔

(۳) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثلاثۃ یضحک اللہ الیھم الرجل اذا قام باللیل یصلی والقوم اذا صفوا فی الصلوٰۃ والقوم اذا صفوا فی قتال العدو (رواہ البغوی) حضور نے فرمایا تین آدمی وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ہنستا ہے (۱) وہ شخص جو رات کے وقت اٹھ کر نماز تہجد پڑھتا ہے (۲) وہ لوگ جو نماز کیلئے صفیں باندھتے ہیں (۳) وہ لوگ جو میدان جنگ میں اپنی صفوں کو درست کرتے ہیں۔

؎ اس کا عطف قم اللیل پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ رات کو قیام کیا کرو، نماز و قرات میں شب بسر کیا کرو اور ذکر الٰہی رات دن صبح و شام کیا کرو۔

تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو ؔ وہ مالک ہے مشرق و مغرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں

لیکن یہ مقام حاصل نہیں ہوتا جب تک دل ذاکر نہ ہو اور حق تو یہ ہے کہ صرف دل کا ذکر ہی حقیقی ذکر ہے کیونکہ ذکر کا معنی ہے طرد الغفلۃ غفلت کو دور بھگا دینا اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ دل ذاکر ہو۔ کیونکہ زبان بسا اوقات ذکر کرتی ہے لیکن دل غافل ہوتا ہے۔ ایسے ذکر کو ذکر کہنا بڑی زیادتی ہے۔

ؔ تبتل کا مفہوم علامہ آلوسی نے یہ بتایا ہے۔ انقطع الیہ تعالیٰ بالعبادۃ وجرد نفسک عما سواہ عزوجل واستغرق فی مراقبتہ سبحانہ۔ یعنی ہر طرف سے تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جا اور اپنے نفس کو ما سوا کے خیال سے پاک کر لے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے مراقبہ میں مستغرق ہو جا۔

قاعدہ کے مطابق مفعول مطلق فعل کے باب سے تبتلا ہونا چاہیے تھا لیکن کیونکہ بتل اور تبتل دونوں کے معنی ایک ہیں اس لیے باب تفعیل کا مصدر ذکر کر دیا تاکہ قوافی کی رعایت ہو جائے۔

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان دنیا سے قطع تعلق کر لے۔ نہ گھر بار سے سروکار نہ اہل و عیال کا خیال۔ اس قسم کے تبتل کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد نبوی ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام کہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضور نے حضرت ابن عمر کو ارشاد فرمایا: ان لنفسک علیک حقا ولاھلک علیک حقا ولضیفک علیک حقا کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے تیرے اہل و عیال کا بھی تجھ پر حق ہے تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طلب نہ رہے۔ صوفیائے کرام کا قول ہے کہ جس راہ کے ہم مسافر ہیں اس پر دو قدم ہی اٹھتے ہیں کہ منزل آ جاتی ہے۔

الخطوۃ الاولیٰ الانقطاع عن الخلق والثانیۃ الوصول الی الحق۔ پہلا قدم مخلوق سے قطع تعلق اور دوسرا قدم وصول الی الحق۔ یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ ذرا مزید غور فرمائیے حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب کا نام یاد کرو۔ واذکر ربک نہیں کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری رسائی اس کے اسمائے حسنیٰ کے ذکر تک ہے اس کی ذات کا ذکر بڑی دور کی منزل ہے۔ دوام ذکر سے دوام حقیقی مراد نہیں بلکہ دوام عرفی ہے یعنی الاکثار بقدر الطاقۃ البشریۃ۔ انسانی طاقت کے مطابق کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ ایسا ذکر انسان کو تبتل کی منزل تک پہنچانے کا وسیلہ بن جاتا ہے بشرطیکہ جذب الٰہی دستگیری فرمائے یا شیخ کامل کی کشش نصیب ہو جائے۔ وکذالک یفضی الی التبتل وسیلۃ الیہ بشرط الاجتباء من اللہ تعالیٰ او جذب من الشیخ۔ (مظہری)

حضرت یعقوب چرخی لکھتے ہیں: وایں معنی را اہل سلوک نفی ما سوا اللہ گویند وایں معنی بکثرت ذکر حاصل میشود۔ بعنایت الٰہیہ و بخدمت شیخ کامل و مکمل۔

بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

ویک نظر مبارک از شیخ کہ محبوب حق و مجذوب مطلق باشد چنداں تصفیہ و تجلیہ ظاہر و باطن حاصل آید کہ بانواع عبادات ظاہرہ حاصل نیاید۔

فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿٩﴾ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا

بس بنا لیجیے اسی کو اپنا کارساز ۹ اور صبر کیجیے ان کی (دل آزار) باتوں پر اور ان سے الگ ہو جائیے بڑی

جَمِيْلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿١١﴾

خوبصورتی سے ۱۰ آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں ۱۱

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿١٢﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٣﴾

ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے ۱۲ اور غذا جو گلے میں پھنس جانے والی ہے اور دردناک عذاب۔

ترجمہ: اس معنی کو ہی اہل تصوف ماسوی اللہ کی نفی کہتے ہیں اور یہ معنی کثرتِ ذکر سے حاصل ہوتا ہے اور عنایت ازلی اور شیخ کامل و مکمل کی خدمت اس کا سبب بنتی ہے۔

اللہ کی عنایت اور خاصانِ حق کی عنایت کے بغیر اگر کوئی فرشتہ بھی ہو تو اس کا نامۂ عمل سیاہ ہوتا ہے۔

شیخ جو محبوبِ حق اور مجذوبِ مطلق ہوتا ہے اس کی ایک نظرِ مبارک سے ظاہر و باطن کی وہ صفائی حاصل ہوتی ہے جو طرح طرح کی ظاہری عبادتوں سے حاصل نہیں ہوتی۔ اللھم ارزقنا من جذباتک ما یلیق بکرمک۔ الٰہی ہمیں اپنی کششوں سے وہ عطا فرما جو تیری شانِ کرم کے شایان ہو۔

۹ وہ مشرق کا بھی مالک ہے اور مغرب کا بھی مالک ہے۔ ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہر کام اسی کی مرضی سے طے پاتا ہے۔ وہی معبودِ برحق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لیے اسی کو اپنا کارساز بنالو۔ اپنے سارے کام، اپنے سارے احوال، اپنی ساری ضرورتیں اسی کے سپرد کر دو اور یقین رکھو کہ وہ کارسازی فرمائے گا اور دین و دنیا میں تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔

۱۰ وہ دل جو ان کے لیے ہمدردی اور خلوص کے جذبات سے لبریز تھا وہ ہمہ اوقات اسی کو ڈھونڈنے میں لگے رہتے۔ کاہن، شاعر، ساحر، مجنون جیسے مکروہ اور نازیبا الفاظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کرتے۔ مذاق کرنا، جھوٹے الزام تراشنا، غلط تہمتیں لگانا ان کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے محبوب! یہ جو کچھ بکتے ہیں انہیں بکنے دو، ان کی طرف سے رخ انور پھیر لو۔ ان کی گستاخیوں اور ایذا رسانیوں کا انتقام لینے کا خیال بھی قلبِ مبارک میں نہ گزرے۔ آپ نے اپنے سب کام میرے سپرد کر دیئے ہیں۔ اب آپ کو فکر کی ضرورت نہیں، میں خود ان سے نپٹ لوں گا۔ ھجرا جمیلا کا بھی یہی مطلب ہے کہ ان سے الجھنا، ان کے منہ لگنا اور ان سے انتقام لینا آپ کو زیب نہیں دیتا۔

۱۱ اے محبوب! آپ نے مجھ پر توکل کر لیا اور مجھے اپنا کارساز بنا لیا۔ اب آپ کو فکر کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت جلد یہ اولی النعمۃ میدانِ بدر میں ذلیل و رسوا کر کے قتل کر دیئے گئے۔

۱۲ انکال: نکل کی جمع ہے۔ وہ بھاری بھرکم بیڑیاں جو پاؤں میں ڈال جاتی ہیں اور انسان ہل جل نہیں سکتا۔ النکل: القید واحد انکال

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿١٤﴾

یہ اس روز جس دن لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے بن جائیں گے ۱۳؎

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى

(اے اہل مکہ!) ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول تم پر گواہ بنا کر ۱۴؎ جیسے ہم نے فرعون کی طرف

فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا

(موسیٰ کو) رسول بنا کر بھیجا۔ پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے

وَّبِيْلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ

پکڑ لیا ۱۵؎ (ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے

شِيْبًا ﴿١٧﴾ ۖ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۚ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ

گا (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس دن کے ہول سے ۱۶؎ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا۔ یقیناً یہ (قرآن)

وھو ما منع الانسان من الحرکۃ ۔ والغصۃ ما یاخذ بالحلق لا ھو نازل ولا ھو خارج ۔ وہ چیز جو گلے کو پکڑ لیتی ہے ۔ نیچے اترتی ہے نہ باہر نکلتی ہے جیسے غسلین، زقّوم وغیرہ۔

۱۳؎ قیامت کے روز انہیں مذکورہ بالا عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ کثیب، الرمل المجتمع، ریت کا ٹیلہ ۔ مھیلا، رملا سائلا متناثرا۔ ایسی ریت کا ڈھیر جو ہوا کے جھونکوں سے یا کوئی ٹھوکر لگنے سے پانی کی طرح بہنے لگتا ہے۔

۱۴؎ اہل مکہ کے سامنے فرعون کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کی شان وشوکت اور فرمانروائی کے تذکرے وہ اپنے بڑوں سے سنتے چلے آئے تھے۔ انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جو قیامت کے روز تمہارے کفر وایمان پر گواہی دے گا۔ شاھدا ای یشھد یوم القیامۃ بما صدر منکم من الکفر والعصیان۔ (روح المعانی) جو کفر و نافرمانی تم سے صادر ہوئی ہے قیامت کے روز وہ اس کی گواہی دے گا۔ جس طرح ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے اسی طرح ہم نے فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔

۱۵؎ تمہاری طرح فرعون نے بھی حضرت موسیٰ کی رسالت سے انکار کر دیا تھا۔ ہم نے اس کو تباہ وبرباد کر دیا۔ اگر تم نے میرے رسول کی دعوت رد کر دی تو پھر اس قسم کے انجام کے لیے تیار رہنا۔ وبیل: شدید اور سخت چیز، جو بارش بڑی تیز برستی ہے اسے مطر وابل کہتے ہیں جو پانی پینے کے قابل نہ ہو اسے ماء وبیل کہتے ہیں۔ اخذا وبیلا، ثقیلا شدیدا۔

۱۶؎ اگر تم کفر سے باز نہ آئے اور اس گمراہی وضلالت پر مصر رہے تو پھر وہ دن جو آنا ہے اتنا لمبا ہو گا کہ بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور

تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ ۱ ع ۱۴

نصیحت ہے شلہ پس اب جس کا جی چاہے اختیار کرلے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ۔ بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ

اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ

آپ (نماز میں) قیام کرتے ہیں کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی نصف رات اور کبھی تہائی رات اور ایک جماعت ان سے

مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ

جو آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی (رات میں) قیام کرتے ہیں شلہ اور اللہ تعالیٰ ہی چھوٹا بڑا کرتا رہتا ہے رات اور دن کو۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم

آسمان جیسی مضبوط چیز بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی تو اس دن عذاب الٰہی سے تم کیونکر بچ سکو گے۔

شلہ یہ آیات جو آج ہمارا رسول تمہیں پڑھ کر سنا رہا ہے یہ تمہارے لیے یاددہانی ہے تاکہ تم خواب غفلت سے آنکھیں کھولو اور جس کا جی چاہے وہ اس راستہ پر گامزن ہو جائے جو اس کے پروردگار کی رضا اور معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی حسی بُعد اور ظاہری دُوری تو ہے نہیں کہ کسی راستہ پر چل کر اس کا قُرب حاصل کیا جائے۔ وہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان جو بُعد' جو دُوری ہے' وہ غفلت کی دوری ہے' وہ ظلمانی حجاب ہے۔ اس حجاب غفلت کو دور کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہر وقت اس کو یاد کیا جائے' اس کے ذکر کو اپنا معمول بنا لیا جائے۔ ذکر سے ہی یہ حجاب اٹھتا ہے۔ اس ذکر سے ہی بندے کو اپنے رب کی معیت اور اس کا عشق نصیب ہوتا ہے اور اسی محبت و عشق کے فیض سے اس کی عظمت و کبریائی کے نورانی پردے اُٹھتے ہیں اور محب صادق سُرادقاتِ عظمت کو الٹتا ہوا حریم قرب میں جبہ سائی کا شرف حاصل کرتا ہے۔ كشف تلك الحجب يتيسر بالتذكير فان التذكير يزيل الغفلة ويستوجب المحبة مع المعية كما قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم المرء مع من احب المحبة يفضى بالمحب الى المحبوب بحيث لا تمنعه سرادقات العظمة والكبرياء۔ (مظہری)

ترجمہ: ان پردوں کا اٹھنا صرف ذکر الٰہی سے ہی آسان ہوتا ہے' کیونکہ ذکر سے غفلت زائل ہوتی ہے۔ محبت پیدا ہوتی ہے معیت نصیب ہوتی ہے۔ جس طرح ارشاد رسالت ہے ہر انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ پس محبت' محب کو اپنے محبوب کے قریب پہنچا دیتی ہے عظمت و کبریائی کے پردے اس وقت اس کو روک نہیں سکتے۔

شلہ قُمِ الَّيْلَ کا حکم نازل ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نصف شب یا اس سے تھوڑا کم یا تھوڑا زیادہ تک نماز تہجد ادا کرنا اور اس میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا فرض ہو گیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ابتداء میں نماز تہجد تمام مسلمانوں پر فرض تھی اور بعض کا خیال ہے کہ نماز تہجد صرف حضور پر فرض تھی لیکن جب مسلمانوں نے اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصف شب تک عبادت میں مصروف دیکھا تو ان کے دل میں بھی اپنے رسول کے اتباع کا شوق پیدا ہوا اور وہ بھی اپنے ہادی کے ساتھ اپنے مالک کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ کیونکہ نصف رات کا وہ صحیح

تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ

اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو ١٩ وہ یہ بھی

اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ

جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں

يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ

تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزق حلال) کو ٢٠ اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے۔

اندازہ نہیں لگا سکتے تھے اس لیے بسا اوقات دو تہائی رات نماز پڑھتے پڑھتے گزر جاتی یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج گئے اور چہروں کی رنگت زرد پڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم فرماتے ہوئے اس حکم میں تخفیف کر دی کہ اب نصف رات جاگنے کی پابندی نہیں۔ جتنا تم آسانی سے جاگ سکتے ہو اور جتنا آسانی قرآن کریم پڑھ سکتے ہو اتنا ہی کافی ہے۔

یہ آیت پہلے حکم کے کتنا عرصہ بعد نازل ہوئی اس میں مختلف اقوال ہیں۔ آٹھ ماہ، سولہ ماہ اور ایک سال اور دس سال کی روایات منقول ہیں۔ آخری روایت سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بارہ ماہ کا عرصہ لکھا ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ مسلمانوں پر نصف شب کا قیام دس سال کی طویل مدت تک فرض رہا ہو اور اس کے بعد تخفیف کی گئی ہو۔

١٩ بعض نے تو اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ تم اس کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اس وقت کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے بالیقین پتہ چل جائے کہ ٹھیک آدھی رات گزر گئی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں نرمی فرما دی اور بعض نے لن تحصوہ کا معنی لن تطیقوا قیامہ کیا ہے کہ تم ہمیشہ اتنی دیر قیام کی طاقت نہیں رکھتے، تم اس حکم کو نباہ نہ سکو گے۔ میرے نزدیک یہی معنی اس مقام سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہاں بیماری، سفر وغیرہ ان عوارض کا ذکر ہوا ہے جن کے باعث نصف رات تک جاگنا از حد مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے عوارض ہیں جن سے ہر شخص کو کم و بیش واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اگر نصف رات تک جاگنا فرض ہوتا اور ان وجوہات کی بنا پر لوگ ایسا نہ کر سکتے تو وہ نافرمان اور گنہگار ہوتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تم پر آسانی اور تخفیف کر دی ہے۔ اب جتنا آسانی سے جاگ سکتے ہو اور آسانی سے تلاوت کر سکتے ہو اتنا ہی کافی ہے۔

٢٠ یہاں پہلے حکم میں تخفیف کی علت بیان کی جا رہی ہے کہ انسان ہمیشہ صحت و تندرستی سے گھر میں اقامت پذیر نہیں رہتا۔ کبھی وہ بیمار بھی ہو جاتا ہے، کبھی اسے رزق حلال کی تلاش میں اور علم کے حصول میں سفر بھی کرنا پڑتا ہے۔ کبھی میدان جہاد میں دشمنان اسلام کے مقابلہ میں داد شجاعت بھی دینا پڑتی ہے۔ ان حالات میں سحر خیزی کی یہ پابندی بڑی مشکل ہے اس لیے نصف رات جاگنے کی یہ پابندی ختم کی جاتی ہے۔ اب جتنا تم آسانی سے جاگ سکو اتنا ہی کافی ہے۔

اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو ٢١ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو ٢٢

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں رزق حلال کے لیے جدوجہد کا مقام بڑا اونچا ہے کہ اس کو مجاہدین کے ساتھ شمار کیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: سوى الله تعالى في هذه الآية بين درجة المجاهدين والمكتسبين المال الحلال للنفقة على نفسه وعياله والإحسان والإفضال وكان هذا دليلاً على أن كسب المال بمنزلة الجهاد.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اور رزق حلال کمانے والوں کے درجہ کو برابر کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسب حلال بھی جہاد ہے۔

احادیث طیبہ میں اس حقیقت کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے:

روى إبراهيم عن علقمة قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما من جالب يجلب طعاما من بلد إلى بلد فيبيعه بسعر يومه إلا كانت منزلته عند الله منزلة الشهداء ثم قرأ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْأَرْضِ الآية: یعنی جو شخص ایک شہر سے خوراک کا سامان کسی دوسرے شہر میں لے آتا ہے اور اس دن کے بھاؤ کے مطابق فروخت کر دیتا ہے تو اس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہداء کے مرتبہ کے برابر ہے۔ پھر حضور نے یہ آیت طیبہ پڑھی۔ علامہ قرطبی ایک واقعہ لکھتے ہیں:

"واسط شہر میں ایک تاجر رہتا تھا۔ اس نے اپنا گندم سے بھرا ہوا ایک جہاز بصرے کی طرف بھیجا اور اپنے وہاں کے ایجنٹ کو لکھا کہ جس روز یہ جہاز بصرہ میں پہنچے اسی روز اس کو فروخت کر دو اور آنے والے دن کے لیے اسے بچا کر نہ رکھو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جس روز وہ جہاز پہنچا گندم کا بھاؤ گرا ہوا تھا۔ غلے کے تاجروں نے اس ایجنٹ کو کہا کہ اگر تم ایک ہفتہ انتظار کرو تو کئی گنا نفع زیادہ کماؤ گے چنانچہ اس ایجنٹ نے ایک ہفتہ اس گندم کو فروخت نہ کیا۔ ان ایام میں بھاؤ تیز ہو گیا اور اس نے کئی گنا زیادہ نفع کمایا۔ اس نے اپنے مالک کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس تاجر نے اس کو لکھا: يا هذا إنا كنا قنعنا بربح يسير مع سلامة ديننا وقد جنيت علينا جناية فإذا أتاك كتابي هذا فخذ المال وتصدق به على فقراء البصرة وليتني أنجو من الاحتكار كفافا لا علي ولا لي.

اے فلاں! اگر ہمارا دین سلامت رہے تو ہمیں تھوڑا نفع ہی کافی ہے۔ تو نے ہم پر بڑی زیادتی کی ہے۔ جس وقت میرا یہ خط تمہیں ملے تو سارا مال بصرہ کے فقراء میں تقسیم کر دو۔ اس غلہ کی ذخیرہ اندوزی کا جو جرم تم نے کیا ہے اس کے مواخذہ سے ہی اگر بچ جاؤں تو کافی ہے۔ مجھے اس مال کے صدقہ کرنے سے مزید ثواب کی کوئی آرزو نہیں۔

٢١ اس مقدار کا تعین ہر شخص کے اپنے حالات پر ہے۔ ویسے بعض نے پچاس آیتیں اور بعض نے سو آیات لکھی ہیں۔

٢٢ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ آیت نماز پنجگانہ اور زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد نازل ہوئی تو پھر نماز سے مراد پانچ فرض نمازیں اور زکوٰۃ سے مراد فرض زکوٰۃ ہوگی اور اگر نماز و زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہے تو پھر الصلوٰۃ سے مراد وہی نماز ہوگی جو اس وقت

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ

اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو ۲۳ اور جو (نیکی) تم آگے بھیجو گے اپنے لیے ۲۴ تو

خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا

اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہوگا ۲۵ اور مغفرت طلب کیا کرو

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اللہ تعالیٰ سے ۲۶ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

ادا کی جاتی تھی اور زکوٰۃ سے اس کا لغوی معنی مراد ہوگا یعنی صدقة التطوع، نفلی صدقات۔

۲۳ قرض حسن کا مطلب یہ ہے کہ پاک مال سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا۔ ما قصد به وجه الله تعالى خالصا من المال الطيب۔

۲۴ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھجور اور دودھ کو ملا کر حیس یعنی حلوا بنایا۔ اسی اثنا میں ایک مسکین آیا۔ آپ نے وہ حلوہ اٹھا کر اس مسکین کو دے دیا۔ اہل مجلس میں سے کسی نے کہا امیر المومنین! اس لذیذ حلوے کی قدر یہ بے چارہ مسکین کیا سمجھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا لكن رب المسكين يدرى ما هو۔ مسکین کا رب تو جانتا ہے کہ یہ کیا ہے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ پیارا ہو۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم سب کو اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے۔ حضور نے فرمایا سوچ لو کیا کہہ رہے ہو۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ پیارا ہے۔ حضور نے فرمایا نہیں تم سب کو اپنے مال سے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کیسے؟ قال انما مال احدكم ما قدم ومال وارثه ما اخر۔ رواه البغوى (مظہری) تمہارا مال تو وہ ہے جو تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر کے اپنے سے پہلے بھیج رہے ہو اور وارث کا مال وہ ہے جو تم اپنے پاس رکھتے ہو۔

۲۵ خَيْرًا اور اَعْظَمَ، تَجِدُوْهُ کے مفعول ثانی ہیں اس لیے منصوب ہیں۔ هُوَ ضمیر فصل ہے۔ اس کا کوئی اعراب نہیں اور اَجْرًا تمیز ہے۔

۲۶ اس سے پہلے بدنی اور مالی عبادات اور اعمال صالحہ کا ذکر کیا گیا۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی کوتاہ اندیش اپنے اعمال پر غرور و ناز کرنے لگے، اس لیے آخر میں ہدایت فرما دی کہ اپنے اعمال صالحہ اور نیکیوں پر بھروسہ مت کرو۔ تمہارے اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں نقص و عیب سے خالی نہیں اور اگر خالی ہوں بھی تو بارگاہ خداوندی کی عظمتوں اور رفعتوں کے شایان شان نہیں۔ اس لیے تمہاری نگاہ ہمیشہ اپنی کوتاہیوں

اور خامیوں پر رہنی چاہیے اور ہر وقت ان کے لیے مغفرت طلب کرنے میں تمہیں کوشاں رہنا چاہیے۔ اپنی نجات اور بخشش کی امید فقط اس کی رحمت اور مغفرت پر ہونی چاہیے۔ بے شک وہ بہت مغفرت فرمانے والا اور ہر وقت اپنے بندوں کے حال زار پر رحمت فرمانے والا ہے۔

○

اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی من مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم۔ رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین۔

اللّٰھم صل وسلم وبارک علی المزمل المدثر حبیبک الاکرم سیدنا ومولٰنا محمد المبعوث رحمۃ للعٰلمین وعلی اٰلہ واصحابہ ومن احبہ واتبعہ الی یوم الدین۔

○